محمد عمار خان ناصر

'حرابہ' اور 'فساد فی الارض'

[یہ مصنف کی زیر طبع کتاب ''حدود و تعزیرات ــ چند اہم مباحث'' کا ایک جز ہے۔ قارئین ''اشراق'' کے افادے کے لیے اس کتاب کے جملہ مباحث بالاقساط شائع کیے جا رہے ہیں۔]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

شرعی سزاؤں سے متعلق نصوص میں سورۂ مائدہ (۵) کی آیات ۳۲-۳۴، جن میں انسانی جان کی حرمت اور محاربہ کی سزائیں بیان ہوئی ہیں، بے حد اہمیت کی حامل ہیں۔ ارشاد ہوا ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِ
يْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ
فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا
وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا.
وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ
كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الْاَرْضِ
لَمُسْرِفُوْنَ. اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا
اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ
وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ
الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ
فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ. اِلَّا الَّذِيْنَ

''اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جس نے کسی ایک انسان کو کسی دوسرے انسان کی جان لینے یا زمین میں فساد برپا کرنے کے علاوہ قتل کیا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی ایک انسان کو زندہ رکھا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو زندہ رکھا۔ اور یقیناً ان کے پاس ہمارے رسول واضح دلائل لے کر آئے، لیکن اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتے اور زمین میں فساد پھیلانے کے لیے سرگرم رہتے ہیں، ان کی سزا یہی ہے کہ انھیں عبرت ناک طریقے سے قتل کر دیا جائے، یا انھیں سولی دے دی جائے یا ان کے ہاتھ

تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.

پاؤں الٹے کاٹ دیے جائیں یا انھیں جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے، جبکہ آخرت میں بھی ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے، البتہ جو مجرم تمھارے ان پر قابو پانے سے پہلے توبہ کرلیں تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔''

ان میں سے پہلی آیت میں 'فساد فی الارض' کی تعبیر استعمال ہوئی ہے جو قرآن مجید کی خاص اصطلاح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس زمین پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا رویہ ترک کر کے سرکشی پر اتر آئے اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کی پاس داری کے بجاے انھیں پامال کرنا شروع کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے جن وانس کی تخلیق کی غایت یہ بیان کی ہے کہ وہ خداے واحد کی عبادت اور اطاعت کریں[1]۔ یہ ذمہ داری ظاہر ہے اسی صورت میں پوری ہو سکتی ہے جب انسان خدا کی وحدانیت اور حاکمیت کے پورے اعتراف کے ساتھ اس کی بندگی بجالائے اور اس کے مقرر کردہ حدود وقیود کے اندر زندگی بسر کرے۔ زمین کو انسان کا مستقر بنانے اور اس میں اس کو اختیار واقتدار بخشنے کا مقصد بھی اسی پہلو سے انسان کی آزمایش ہے کہ وہ اس اختیار کو خدا کی مرضی کی موافقت میں استعمال کرتے ہوئے زمین کو صلاح کا گہوارہ بناتا ہے یا رضاے الٰہی سے انحراف کرتے ہوئے اس میں 'فساد' کی آگ بھڑکاتا ہے۔ چنانچہ انسان کی تخلیق اور اس کی آزمایش کی اسکیم سے جب فرشتوں کو مطلع کیا گیا تو انھوں نے انسان کے متوقع رویے اور طرز عمل کو 'فساد فی الارض' ہی سے تعبیر کرتے ہوئے اس پر اپنے خدشات کا اظہار کیا[2] اور قرآن مجید نے دنیا میں انسان کو درپیش امتحان میں کامیابی اور اس کے بدلے میں آخرت کی نعمتوں کے استحقاق کا معیار بھی اسی 'فساد فی الارض' سے بچنے کو قرار دیا ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ.

(القصص ۲۸: ۸۳)

''یہ آخرت کا گھر، اس کا حق دار ہم خاص انھی لوگوں کو بنائیں گے جو نہ زمین میں سرکش ہو کر رہنا چاہتے ہیں اور نہ فساد برپا کرنا اور کامیابی تو انجام کار پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے۔''

---

[1] الذاریات ۵۱: ۵۶۔

[2] البقرہ ۲: ۳۰۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دنیا میں جن قوموں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا، ان سب کی جامع فرد قرارداد جرم بیان کرنے کے لیے بھی یہی تعبیر استعمال ہوئی ہے:

فَلَوۡلَا كَانَ مِنَ الۡقُرُوۡنِ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ اُولُوۡا بَقِيَّةٍ يَّنۡهَوۡنَ عَنِ الۡفَسَادِ فِي الۡاَرۡضِ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّمَّنۡ اَنۡجَيۡنَا مِنۡهُمۡ وَاتَّبَعَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مَاۤ اُتۡرِفُوۡا فِيۡهِ وَكَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ. (ہود ۱۱: ۱۱۶)

”تو کیوں نہ ایسا ہوا کہ تم سے پہلے جو قومیں تھیں، ان میں ایسے عقل مند ہوتے جو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے؟ ایسے لوگ بہت کم تھے اور یہ وہ تھے جنھیں ہم نے ان میں سے (عذاب سے) محفوظ رکھا، جبکہ ظالم اس سامان عیش وعشرت کے پیچھے لگے رہے جو انھیں دیا گیا تھا اور وہ مجرم تھے۔“

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر ’فساد فی الارض‘ کا اطلاق اعتقادی کج روی، اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری سے بے نیاز ہو کر زندگی بسر کرنے، اخلاقی وشرعی حدود کو پامال کرنے، اللہ کے عائد کردہ معاشرتی حقوق کو نظر انداز کرنے، کسی معاملے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے روبہ عمل ہونے کی راہ میں رکاوٹ بننے یا اس کی مرضی اور منشا کے علی الرغم روش اختیار کرنے، لوگوں کو اللہ کے دین سے روکنے، دوسرے انسانوں کے جان ومال کے درپے ہو جانے، ان کی عزت وآبرو اور آزادی دین و مذہب پر تعدی کرنے، مال ودولت اور ملک گیری کی ہوس میں دوسری قوموں پر حملے کرنے اور اپنی سرکشی اور عدوان سے انسانی معاشرے کے امن وامان کو تباہ کرنے کی کوششوں پر ہوا ہے۔[۳] اس اعتبار سے دیکھیے تو عقیدہ وعمل اور اخلاق وکردار کا ہر انحراف درحقیقت ’فساد فی الارض‘ ہے اور قرآن نے متعدد مقامات پر اس تعبیر کو ایمان اور عمل صالح یا محض ’اصلاح‘ کے تقابل میں استعمال کر کے اس کے جامع مفہوم کو پوری طرح واضح کر دیا ہے۔[۴] مثلاً سورۂ ص میں ارشاد ہوا ہے:

اَمۡ نَجۡعَلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالۡمُفۡسِدِيۡنَ فِي الۡاَرۡضِ اَمۡ نَجۡعَلُ الۡمُتَّقِيۡنَ كَالۡفُجَّارِ. (۳۸: ۲۸)

”کیا ہم ایمان لانے اور نیک اعمال کرنے والوں کا انجام ان کی طرح کر دیں گے جو زمین میں فساد مچاتے رہے؟ یا کیا ہم پرہیزگاروں اور بدکاروں کے ساتھ یکساں معاملہ کریں گے؟“

’فساد فی الارض‘ کا یہ مفہوم پیش نظر رہے تو بآسانی واضح ہو گا کہ ’مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِي الۡاَرۡضِ‘ کی زیر بحث آیت میں عطف العام علی الخاص کا اسلوب پایا جاتا ہے۔ قتل دراصل ’فساد فی الارض‘ ہی کی ایک

www.javedahmadghamidi.com

صورت ہے جسے نمایاں کرنے کی غرض سے الگ ذکر کر کے اس پر اس عمومی اصول، یعنی 'فساد فی الارض' کو عطف کر دیا گیا ہے جس کے تحت قتل سمیت باقی تمام صورتیں بھی مندرج ہو جاتی ہیں۔ منشاے کلام یہ ہے کہ کسی انسان کی جان کسی حق ہی کے تحت لی جا سکتی ہے اور ناحق کسی کی جان لینا ایسا ہی ہے جیسے ساری انسانیت کو قتل کر دینا۔ قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر یہی بات 'لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ'[5] کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ گویا زیر بحث آیت 'اِلَّا بِالْحَقِّ' کی تفسیر کرتی اور یہ بتاتی ہے کہ 'فساد فی الارض' وہ بنیاد ہے جس کے تحت اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کی جان لینے کی اجازت دی ہے اور جو کسی انسان کے قتل کو قتل بالحق بناتی ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خدا کی اطاعت سے کسی بھی نوعیت کا انحراف فی نفسہٖ 'فساد فی الارض' کے تحت آتا ہے، جبکہ آیت میں 'فساد فی الارض' کو کسی انسان کی جان لینے کی وجہ جواز قرار دیا گیا ہے تو کیا اس کی کسی بھی صورت کے ارتکاب پر انسان قتل کا مستحق قرار پائے گا؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے، اس لیے کہ آیت کا اصل مدعا یہ بیان کرنا نہیں کہ 'فساد فی الارض' انسان کو لازماً قتل کا مستوجب بنا دیتا ہے، بلکہ یہ ہے کہ اس کے بغیر انسان کی جان لینے کا کوئی جواز نہیں۔ رہی یہ بات کہ 'فساد فی الارض' کی کس صورت میں موت کی سزا دی جا سکتی ہے اور کس صورت میں نہیں تو آیت اس سے تعرض نہیں کرتی اور اس کے لیے دیگر نصوص کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ اس ضمن میں شریعت موسوی کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت موسوی کے عمومی مزاج کے لحاظ سے بنی اسرائیل کے لیے قتل کی سزا تجویز کرنے میں بھی زیادہ سختی برتی گئی تھی۔ تورات میں اس کی تفصیلات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن جرائم کو موت کی سزا کا مستوجب قرار دیا گیا ہے، ان کو تین دائروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ کسی انسان کی جان، مال، عزت و آبرو یا اس کے کسی مذہبی یا معاشرتی حق پر تعدی۔ اس نوعیت کے جرائم

---

[3] البقرہ ۲: ۱۱، ۲۷، ۳۰، ۶۰۔ آل عمران ۳: ۶۳۔ الاعراف ۷: ۵۵-۵۶، ۷۴، ۸۵۔ الانفال ۸: ۷۳۔ یوسف ۱۲: ۷۳۔ الرعد ۱۳: ۲۵۔ بنی اسرائیل ۱۷: ۴۔ الکہف ۱۸: ۹۴۔ الشعراء ۲۶: ۱۸۳۔ القصص ۲۸: ۴، ۷۷۔ العنکبوت ۲۹: ۳۶۔ المومن ۴۰: ۲۶۔ الفجر ۸۹: ۱۱-۱۲۔

[4] الشعراء ۲۶: ۱۵۲۔ النمل ۲۷: ۴۸۔

[5] بنی اسرائیل ۱۷: ۳۳۔ ''جس جان کو اللہ نے حرمت بخشی ہے، اسے کسی حق کے بغیر قتل نہ کرو۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حسب ذیل ہیں:

o کسی انسان کو ناحق قتل کرنا[6]۔

o کسی آزاد کو غلام بنا کر بیچنا[7]۔

o شادی شدہ عورت یا کسی کی منگیتر کے ساتھ زنا[8]۔

۲۔ان اخلاقی و مذہبی آداب، معاشرتی ضوابط اور قانونی حدود و قیود کی خلاف ورزی جن کی پابندی پر معاشرتی نظم اور اس کے مادی و اخلاقی وجود و بقا کا انحصار تھا۔اس دائرے میں درج ذیل جرائم آتے ہیں:

o قاضی کے سامنے گستاخی کرنا یا اس کا فیصلہ نہ ماننا[9]۔

o باپ کے سامنے سرکشی اور اس کی نافرمانی[10]۔

o باپ یا ماں پر لعنت کرنا[11]۔

o کہانت کی خدمت میں بنی لاوی کے ساتھ شریک ہونے کی کوشش کرنا[12]۔

o لواطت[13]۔

o جانور کے ساتھ جماع[14]۔

o اپنی بہن یا بھائی کے بدن کو بے پردہ دیکھنا[15]۔

۳۔ان احکام اور حقوق و آداب کی پامالی جنھیں حقوق اللہ یا حقوق الشرع کا عنوان دینا زیادہ مناسب ہوگا۔

۶؎ گنتی ۳۵: ۱۶-۲۱۔

۷؎ استثنا ۲۴: ۷۔

۸؎ استثنا ۲۲: ۲۲-۲۴۔

۹؎ استثنا ۱۷: ۱۲-۱۳۔

۱۰؎ استثنا ۲۱: ۱۸-۲۱۔

۱۱؎ احبار ۲۰: ۹۔

۱۲؎ گنتی ۱۸: ۷۔

۱۳؎ احبار ۲۰: ۱۳۔

۱۴؎ احبار ۲۰: ۱۵-۱۶۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

یہ جرائم حسب ذیل ہیں:

- خدا کے علاوہ کسی اور معبود یا سورج یا چاند یا اجرام فلکی کی عبادت۔[16]
- اولاد کو مولک کی نذر کرنا۔[17]
- خدا کے نام کی بے حرمتی کرنا۔[18]
- نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنا۔[19]
- سبت کے دن کی پابندی کو توڑنا۔[20]
- سفلی عمل یا جادو کرنا۔[21]

یہ سزائیں بنی اسرائیل کے لیے مقرر کی گئی تھیں، اس لیے کہ خدا کی شریعت کا حامل ہونے اور خدا کے ساتھ اس کی پابندی اور اقوام عالم کے سامنے اس کی شہادت کا عہد و میثاق باندھنے کے بعد مذکورہ اعمال کا ارتکاب صریحاً 'فساد فی الارض' کے زمرے میں آتا ہے۔

جہاں تک اسلامی شریعت کا تعلق ہے تو اس میں متعین طور پر قتل کی سزا بہت کم جرائم میں تجویز کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صورتوں کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلاث زنا بعد احصان او ارتداد بعد اسلام او قتل نفس بغیر حق. (ترمذی، رقم ۲۰۸۴)

''کسی مسلمان کی جان لینا ان تین صورتوں کے سوا جائز نہیں: کوئی شخص محصن ہونے کے بعد زنا کا مرتکب ہو یا اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو جائے یا کسی انسان کو ناحق قتل کر دے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۱۵؎ احبار ۲۰: ۱۷۔

۱۶؎ استثنا ۱۳: ۱-۱۸، ۱۷: ۲-۷۔

۱۷؎ احبار ۲۰: ۲۔

۱۸؎ احبار ۲۴: ۱۳-۱۶۔

۱۹؎ استثنا ۱۸: ۲۰-۲۲۔

۲۰؎ گنتی ۱۵: ۳۲-۳۶۔

۲۱؎ احبار ۲۰: ۲۷۔ ۲۲؎ المائدہ ۵: ۳۳۔

ان کے علاوہ قرآن وسنت کے نصوص میں جن جرائم پر سزاے موت کا ذکر ملتا ہے، ان سب میں یہ سزا تعزیری اور صوابدیدی سزا کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان جرائم میں محاربہ[22]، مسلمانوں کے نظم اجتماعی سے بغاوت[23]، سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح[24]، کسی محرم خاتون کے ساتھ بدکاری[25]، زنا بالجبر[26]، لواطت[27]، شراب نوشی کا عادی مجرم ہونا[28] اور شراب نوشی ترک کرنے سے انکار کرنا[29] شامل ہیں۔ اسی طرح جب بعض افراد کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور زبان درازی کی پاداش میں قتل کر دیا گیا تو آپ نے ان کے خون کو رائگاں قرار دے دیا۔[30]

یہ تمام صورتیں 'فساد فی الارض' میں داخل ہیں۔ ان میں سے زنا، ارتداد اور توہین رسالت پر موت کی سزا سے متعلق ہم نے مستقل عنوانات کے تحت بحث کی ہے، جبکہ محاربہ کے مفہوم ومصداق کے حوالے سے آیندہ سطور میں بعض نکات کی وضاحت کریں گے۔ ان کے علاوہ باقی جرائم میں موت کی سزا ہماری راے میں تعزیری سزا کی حیثیت رکھتی ہے اور ان صورتوں سے موت کی سزا کے حوالے سے عمومی ضابطے بھی اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح یا شراب نوشی ترک کرنے سے انکار پر سزاے موت دینا یہ بتاتا ہے کہ کسی مسلمان کا اسلامی شریعت کے واضح اور قطعی احکام کی اس طرح علانیہ خلاف ورزی کرنا کہ اس سے سرکشی اور بغاوت کے علاوہ ان احکام کے استخفاف کا پہلو بھی ظاہر ہوتا ہو، سزاے موت کا مستوجب ہو سکتا ہے۔ محرم خاتون کے ساتھ بدکاری اور لواطت جنسی انحراف کی معمول سے زیادہ بگڑی ہوئی اور سنگین صورتیں ہیں اور ان پر سزاے موت دینے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی مستوجب حد جرم اپنی شناعت میں زیادہ بڑھ جائے اور مجرم کو معمول کی سزا دینے سے انصاف کے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۲۳؎ مسلم، رقم ۱۸۵۲۔

۲۴؎ ترمذی، رقم ۱۲۸۲۔

۲۵؎ ترمذی، رقم ۱۴۶۲۔

۲۶؎ ابوداؤد، رقم ۴۳۷۹۔ ترمذی، رقم ۱۴۵۴۔

۲۷؎ المستدرک، رقم ۸۰۴۹۔ ترمذی، رقم ۱۴۵۵۔

۲۸؎ ابوداؤد، رقم ۴۴۸۲-۴۴۸۴۔

۲۹؎ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۳۷۴۲۔

۳۰؎ ابوداؤد، رقم ۳۷۹۵۔ نسائی، رقم ۴۰۰۲۔ ابن ابی عاصم، الدیات ۱/ ۷۳۔

تقاضے پورے ہوتے نظر نہ آئیں تو موت تک کی سزا دی جا سکتی ہے۔

شراب نوشی کے عادی مجرم کے لیے سزاے موت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر کسی جرم کا انسداد ہلکی اور کم تر سزاؤں سے ممکن نہ ہو اور مجرم اپنے رویے کی اصلاح پر آمادہ نہ ہو تو جرم کی نوعیت کے لحاظ سے عدالت اس کے لیے موت کی سزا بھی تجویز کر سکتی ہے۔

ان تعزیری سزاؤں کی مذکورہ تعبیر کے ساتھ ساتھ محاربہ کا وہ مفہوم بھی پیش نظر رہے جس پر ہم نے آیندہ سطور میں گفتگو کی ہے تو یہ واضح ہو گا کہ قرآن و سنت کے نصوص میں اصولی طور پر جرائم کی ان تمام صورتوں کا احاطہ کر لیا گیا ہے جنھیں 'فساد فی الارض' کے اصول پر موت کی سزا کا مستوجب قرار دیا جا سکتا ہے۔[۳۱]

اب آیت محاربہ کو دیکھیے:

۳۱؎ فقہا نے 'فساد فی الارض' کے اصول سے ایسے اہل بدعت اور زندیقین کے لیے سزاے موت کا جواز بھی اخذ کیا ہے جو معاشرے میں اپنے مبتدعانہ افکار کو پھیلانے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کریں اور ان کو قتل کیے بغیر ان کے شر کو دفع کرنا ممکن نہ ہو۔ (ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ ۲۸/۳۴۶۔ ابن عابدین، رسائل ابن عابدین ۱/۳۵۷) ہمارے نزدیک زندقہ والحاد یا مذہبی بدعات کے اصولی طور پر 'فساد فی الارض' کے دائرے میں آنے کے باوجود انھیں سزاے موت کا مستوجب قرار دینا عملاً ایک بے حد نازک مسئلہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذہبی و اعتقادی امور کے دائرے میں کسی فرد یا گروہ پر اس کی غلطی کو 'اتمام حجت' کے درجے میں واضح کیے بغیر اسے سزا کا مستحق قرار دینا دینی و اخلاقی اعتبار سے درست نہیں اور اس کی اہمیت اس سے واضح ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو مبعوث کرنے کے بعد اس شرط کو پورا کیے بغیر ان کی قوموں پر عذاب نازل نہیں کیا۔ اتمام حجت کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ اس کے تحقق یا عدم تحقق کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا اور یوں سلسلۂ نبوت کے ختم ہونے کے بعد عملاً اس شرط کا پورا ہونا محال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام نے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے 'منصب شہادت' پر فائز کیے جانے کی بنیاد پر اس اختیار کو استعمال کرنے کا سب سے زیادہ حق رکھتے تھے، اپنے دور میں سامنے آنے والی اعتقادی یا عملی بدعات کے بارے میں یہ طریقہ اختیار نہیں کیا اور علم و استدلال ہی کے ذریعے سے ان کی گمراہی کو واضح کرنے پر اکتفا کیا۔ پھر یہ کہ اس وقت مسلمانوں کے کم و بیش تمام فرقے ایک دوسرے کو گمراہ اور بدعتی سمجھتے ہیں اور اگر انھیں موقع دیا جائے تو ہر فرقہ اپنی اختیار کردہ بدعات کے علاوہ دوسری ہر بدعت کا قلع قمع کرنے کے لیے دل و جان سے آمادہ ہو گا۔ اس طرح 'فساد فی الارض'، یعنی بدعات کے خاتمے کے لیے موت کی سزا دینے کا اختیار اگر تسلیم کر لیا جائے تو یہ اختیار بذات خود 'فساد فی الارض' پر منتج ہو گا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

یہاں 'یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ' اور 'یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا' کی دو الگ الگ تعبیریں استعمال ہوئی ہیں۔ قرآن مجید میں ان دونوں تعبیروں کے مواقع استعمال کا استقصا کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ ان سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف اور معاند گروہوں کی وہ سرگرمیاں ہیں جن کا مقصد مدینہ منورہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتدار کو چیلنج کرنا اور سازش، بغاوت یا اس طرح کے دوسرے طریقوں سے کام لیتے ہوئے اسے کمزور کرنے کی کوشش کرنا تھا۔ چنانچہ مثال کے طور پر منافقین مدینہ کی اندرونی سازشوں کے لیے سورۂ توبہ (۹) کی آیت ۱۰۷ میں 'حَارَبَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ' کے الفاظ آئے ہیں۔ قرآن مجید کی رو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین کا غلبہ جزیرۂ عرب پر قائم ہونا آپ کی بعثت کا ہدف اور مقصود تھا اور جن گروہوں نے بھی اس کے علی الرغم کھڑا ہونے اور اس کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش کی، انھوں نے گویا اللہ اور اس کے رسول کے خلاف برسر جنگ ہونے کا اعلان کر دیا۔ یہ بنیادی طور پر مشرکین عرب، یہود اور منافقین کے گروہ تھے اور قرآن میں ان گروہوں کی سرگرمیوں کے لیے 'یُشَاقِقِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ'[۳۲] اور 'یُحَادِدِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ'[۳۳] کی تعبیریں بھی استعمال ہوئی ہیں جو محاربہ کے مفہوم کو مزید واضح کرتی ہیں۔ اسی طرح 'سَعٰی فِی الْاَرْضِ فَسَادًا' کی تعبیر قرآن مجید میں یہود اور منافقین کی ایسی مفسدانہ، شرانگیز اور باغیانہ (subversive) سرگرمیوں کے لیے استعمال ہوئی ہے جن کا مقصد انارکی پھیلانا اور مدینہ کی اسلامی ریاست کو سیاسی، اخلاقی اور معاشرتی سطح پر کمزور کرنا تھا۔[۳۴] مائدہ کی زیر بحث آیت میں ان گروہوں کی سرگرمیوں سے نمٹنے کے لیے ایک باقاعدہ قانونی سزا بیان کی گئی ہے۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو یہ آیت اصلاً مسلمانوں سے متعلق شریعت کے ضابطۂ حدود و تعزیرات کی ایک شق کے طور پر نہیں، بلکہ ریاست کے داخلی و خارجی دشمنوں سے نمٹنے کے ایک عمومی قانون کے طور پر نازل ہوئی تھی۔

فقہا اور مفسرین بالعموم آیت محاربہ کو جتھے بندی کے ساتھ قتل اور سلب ونہب کی بعض متعین صورتوں کے ساتھ مخصوص کر دیتے ہیں اور ان کی غالب اکثریت کے نزدیک جرم کی متعین صورتوں میں متعین سزا ہی دی جا سکتی ہے، چنانچہ محاربین نے اگر قتل اور نہب، دونوں کا ارتکاب کیا ہو تو انھیں قتل یا صلب کی سزا دی جائے گی،

۳۲؎ النساء ۴: ۱۱۵۔ الانفال ۸: ۱۳۔ محمد ۴۷: ۳۲۔ الحشر ۵۹: ۴۔

۳۳؎ التوبہ ۹: ۶۳۔ المجادلہ ۵۸: ۵، ۲۰۔

۳۴؎ البقرہ ۲: ۲۰۵۔ المائدہ ۵: ۶۴۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اگر صرف مال لوٹا ہو تو ان کے ہاتھ پاؤں الٹے کاٹے جائیں گے اور اگر صرف خوف و ہراس پیدا کیا ہو تو انھیں 'نفی من الارض' کی سزا دی جائے گی، تاہم آیت کے الفاظ اور اسلوب اس تحدید کو قبول نہیں کرتے۔ آیت میں جرم کی کسی مخصوص صورت کا ذکر کرنے کے بجائے 'یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ' اور 'یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا' کی عمومی اور وسیع تر مفہوم کی حامل تعبیرات استعمال ہوئی ہیں جو ہر اس صورت کو شامل ہیں جس میں ریاست کے اقتدار اعلیٰ کو چیلنج کرنے، معاشرے کے امن وامان کو تباہ کرنے یا اس کی دینی واخلاقی بنیادوں کو منہدم کرنے کی کوشش کی جائے۔

آیت محاربہ کے شان نزول کے طور پر کتب حدیث میں عکل اور عرینہ کے افراد کا جو واقعہ نقل کیا گیا ہے، وہ بھی کوئی ڈکیتی کا واقعہ نہیں ہے۔ ان لوگوں نے راہ چلتے مسافروں کا مال نہیں لوٹا تھا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان قبول کیا تھا اور اس کے بعد نہ صرف مرتد ہو گئے، بلکہ انھوں نے بیت المال کے اونٹوں کے رکھوالے کو اذیت ناک طریقے سے قتل کر کے اونٹوں کے ساتھ فرار ہونے کی کوشش کی۔[۳۵] بالبداہت واضح ہے کہ یہ ریاست مدینہ کے ساتھ بدعہدی، خیانت، لوٹ مار اور بغاوت کا مقدمہ تھا، اسے 'ڈکیتی' کا واقعہ سمجھنا اور پھر آیت محاربہ کے دائرۂ اطلاق کو ڈکیتی تک محدود کر دینا، ایک نہایت ناقابل فہم بات ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

امت کے جلیل القدر اہل علم کی آرا سے آیت محاربہ کے مفہوم ومصداق اور دائرۂ اطلاق کی وسعت ہی واضح ہوتی ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت محاربہ اصلاً کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس لیے اس میں مجرم پر قدرت پانے سے پہلے اس کے توبہ کر لینے کی صورت میں معافی کی جو بات کہی گئی ہے، اس کا اطلاق مسلمان محارب پر نہیں ہوتا:

فمن قتل و افسد فی الارض وحارب اللّٰه ورسوله ثم لحق بالکفار قبل ان یقدر علیه لم یمنعه ذلك ان یقام فیه الحد الذی اصاب. (نسائی، رقم ۳۹۷۸)

''جو مسلمان قتل کرے، زمین میں فساد مچائے اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرے، پھر اپنے اوپر قدرت پائے جانے سے پہلے کفار کے ساتھ جا ملے، (توبہ کرنے کی صورت میں) اس پر اس کے جرائم کی سزا نافذ کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔''

ابن عباس کی اس رائے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، تاہم یہ واضح ہے کہ وہ اس آیت کو صرف ڈکیتی تک محدود

۳۵؎ بخاری، رقم ۳۸۷۱۔

نہیں سمجھتے، بلکہ ان کے نزدیک اس کا دائرۂ اطلاق اس سے زیادہ وسیع ہے۔

جلیل القدر تابعی مفسر مجاہد سے یہ راے منقول ہے کہ آیت حرابہ میں مذکور 'فساد فی الارض' کے دائرے میں چوری، زنا، قتل اور حرث ونسل کی بربادی وغیرہ بھی شامل ہیں۔[36] عام طور پر اہل علم نے اس راے پر اچنبھے کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ جب چوری، زنا اور قتل کی سزائیں مستقل نصوص میں بیان ہوئی ہیں تو آیت محاربہ کو ان جرائم سے متعلق قرار دینے کا کیا مطلب؟ تاہم علامہ رشید رضا نے بجا طور پر اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ جان و مال اور آبرو کے خلاف عام نوعیت کے جرائم اگر جتھا بندی کی صورت میں کیے جائیں جس سے 'فساد فی الارض' کی کیفیت پیدا ہو جائے تو وہ 'حرابہ' کے تحت آ جاتے ہیں۔[37]

فقہاے مالکیہ کے ہاں بھی 'حرابہ' کے مفہوم میں نسبتاً توسع دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر وہ کسی شخص کو دھوکے سے یا ویران جگہ پر لے جا کر قتل کرنے کو بھی حرابہ میں شمار کرتے ہیں۔[38] جلیل القدر مالکی فقیہ ابوبکر ابن العربی نے کسی خاتون کو اغوا کرنے کو بھی 'حرابہ' قرار دیا ہے، بلکہ یہ کہا ہے کہ اگر اس جرم پر قرآن کی بیان کردہ سزاؤں سے بھی شدید تر کوئی سزا دی جا سکتی تو وہ وہی تجویز کرتے۔[39] یہی نقطۂ نظر فقہاے امامیہ نے اختیار کیا ہے اور ابوجعفر الطّوسی نے مثال کے طور پر اس جرم کو بھی اس آیت کے تحت داخل قرار دیا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی دوسرے شخص کے ہاتھ بیچ دے۔[40]

دور جدید کے اہل علم کے ہاں بھی بالعموم آیت حرابہ کو معاشرے اور ریاست کے خلاف جرائم کے وسیع تر تناظر میں دیکھنے کا رجحان نمایاں ہے اور وہ قانون کو ہاتھ میں لینے، ریاست کے اختیار اور اتھارٹی کو چیلنج کرنے، معاشرے کے امن وامان کو درہم برہم کرنے اور جان و مال اور آبرو کے حوالے سے خوف و ہراس کی صورت حال پیدا کر دینے

---

[36] طبری، جامع البیان ۶/ ۱۳۲۔

[37] رشید رضا، تفسیر المنار ۶/ ۲۹۶۔

[38] مسائل الامام احمد بن حنبل واسحاق بن راہویہ ۲/ ۲۳۰، ۲۷۲۔ وہبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۲۷۲۔

[39] ابن العربی، احکام القرآن ۲/ ۵۹۷۔

[40] الطّوسی، تہذیب الاحکام ۱۰/ ۲۴۔

کی ہر صورت کو اس کے مفہوم میں داخل مانتے ہیں۔

چنانچہ مولانا حمید الدین فراہی کے نزدیک سیدنا عمر کے نجران کے نصاریٰ کو سود کھانے کی بنا پر جزیرۂ عرب سے جلاوطن کرنے کا ماخذ بھی آیت محاربہ ہے، کیونکہ اس میں فساد فی الارض کی سزا بیان ہوئی ہے اور سود بھی اسی کی ایک صورت ہے۔[41]

مولانا امین احسن اصلاحی نے اس کے مفہوم میں 'زنا' کی بعض صورتوں کو بھی شامل قرار دیا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک ''وہ گنڈے اور بدمعاش جو شریفوں کے عزت و ناموس کے لیے خطرہ بن جائیں، جو اغوا اور زنا کو پیشہ بنالیں، جو دن دہاڑے لوگوں کی عزت و آبرو پر ڈاکے ڈالیں اور کھلم کھلا زنا بالجبر کے مرتکب ہوں، ان کے لیے رجم کی سزا اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہے۔''[42] مولانا کی رائے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکل اور عرینہ کے لٹیروں اور بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع کے یہود کے خلاف، جبکہ صحابہ نے مسیلمہ کذاب اور مانعین زکوٰۃ کے خلاف جنگ اور خیبر کے یہود کو جزیرۂ عرب سے جلاوطن کرنے کے جو اقدامات کیے، ان سب کا ماخذ بھی یہی آیت ہے۔[43]

مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

''...اکثر مفسرین نے اس جگہ رہزنی اور ڈکیتی مراد لی ہے، مگر الفاظ کو عموم پر رکھا جائے تو مضمون زیادہ وسیع ہو جاتا ہے۔ آیت کی جو شان نزول احادیث صحیحہ میں بیان ہوئی، وہ بھی اسی کو مقتضی ہے کہ الفاظ کو ان کے عموم پر رکھا جائے۔ ''اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنا'' یا ''زمین میں فساد اور بدامنی پھیلانا'' یہ دو لفظ ایسے ہیں جن میں کفار کے حملے، ارتداد کا فتنہ، رہزنی، ڈکیتی، ناحق قتل و نہب، مجرمانہ سازشیں اور مغویانہ پروپیگنڈا سب داخل ہو سکتے ہیں اور ان میں سے ہر جرم ایسا ہے جس کا ارتکاب کرنے والا ان چار سزاؤں میں سے جو آگے مذکور ہیں، کسی نہ کسی سزا کا ضرور مستحق ٹھہرتا ہے۔'' (تفسیر عثمانی ۱۵۰)

ہمارے نزدیک سورۂ احزاب کی آیات ۶۰-۶۱ بھی آیت محاربہ ہی کی ایک فرع ہیں۔ یہاں منافقین اور مدینہ منورہ میں فتنہ انگیزی کرنے والے بعض دوسرے گروہوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر وہ باز نہیں آئیں گے تو انھیں، جہاں پائے جائیں، عبرت ناک طریقے سے قتل کرنے کا حکم دے دیا جائے گا۔

---

۴۱ تفسیر نظام القرآن، سورۃ البقرہ ۲۸۶۔

۴۲ تدبر قرآن ۲/۵۰۶۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

(اَیۡنَمَا ثُقِفُوۡۤا اُخِذُوۡا وَقُتِّلُوۡا تَقۡتِیۡلًا) آیت کے سیاق وسباق سے واضح ہے کہ مدینہ منورہ کے ان فتنہ پرداز گروہوں کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے اہل بیت اور مسلمان خواتین کے بارے میں بہتان تراشنے اور ان کی کردارکشی کے مکروہ عمل نے ایک باقاعدہ اور منظّم مہم کی شکل اختیار کر لی تھی اور اسی سے نمٹنے کے لیے یہاں ان کے خلاف سخت کارروائی کی دھمکی دی گئی ہے۔ مفسرین نے اس آیت کے واقعاتی پس منظر سے متعلق جو روایات و اقوال نقل کیے ہیں، ان میں ان شرپسند عناصر کی طرف سے شریف گھرانوں کی خواتین کا پیچھا کرنے اور ان سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا ذکر بھی ملتا ہے۔[۴۴] ہماری رائے میں ان جرائم پر 'تقتیل' کی سزا بیان کرنا آیت محاربہ میں بیان ہونے والے اصولی حکم ہی کا ایک اطلاق ہے اور اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ آیت محاربہ میں محض ڈاکا زنی کی نہیں، بلکہ وسیع تر دائرے میں جرم کی ان تمام صورتوں کی سزا بیان کی گئی ہے جن میں جرم کے اثرات انفرادی اور شخصی دائرے سے نکل کر معاشرے کے عمومی امن وامان اور ریاست کے اختیار واقتدار کے لیے ایک خطرے کی صورت اختیار کر لیں۔ کعب بن اشرف اور ابو رافع جیسے یہودی سرداروں کے قتل کو بھی بآسانی اسی حکم پر عمل قرار دیا جا سکتا ہے۔ کعب بن اشرف یہود کے قبیلہ بنو نضیر کا لیڈر اور شاعر تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو اور کفار قریش کو آپ کے خلاف بھڑکانے میں مصروف رہتا تھا۔ بدر میں قریش کی شکست کے بعد اس نے نہ صرف مکہ جا کر قریش کو انتقام کے لیے بھڑکایا، بلکہ اپنی شاعری کے ذریعے سے مسلمانوں کی ہجو اور ان کی خواتین کے ساتھ تشبیب کا باقاعدہ ایک محاذ کھول لیا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی انھی حرکتوں کی پاداش میں اسے قتل کرا دینے کا فیصلہ کر لیا۔[۴۵]

ابو رافع بھی بنو نضیر کا سردار تھا۔ یہ ان لوگوں میں سے تھا جنھوں نے قریش اور عرب کے دیگر قبائل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکانے اور متحد ہو کر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کرنے میں سرگرم کردار ادا کیا تھا۔ ۵ ہجری میں غزوۂ احزاب انھی کوششوں کے نتیجے میں پیش آیا اور جنگ کے ختم ہو جانے کے فوراً بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن عتیک اور ان کے ساتھیوں کے ذریعے سے ابو رافع کو قتل کرا دیا۔[۴۶]

۴۳؎ تدبر قرآن ۲/ ۵۰۷۔

۴۴؎ طبری، جامع البیان ۲۲/ ۴۶۔

۴۵؎ ابو داؤد، رقم ۲۶۰۶۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ۳/ ۳۱۸- ۳۲۵۔

۴۶؎ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ۴/ ۲۳۴- ۲۳۷۔

ہماری راے میں اسلام یا پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخی کا جرم اور اس پر سزا کا معاملہ بھی اپنی قانونی اساس کے لحاظ سے آیت ’محاربہ‘ ہی پر مبنی ہے، اس لیے کہ ایک اسلامی معاشرے میں، جو ایمان و اعتقاد اور قانونی و سیاسی سطح پر اطاعت و سرافگندگی کے آخری مرجع خدا اور اس کے رسول کو مانتا اور اپنی اجتماعی زندگی کی تشکیل کو رسول اللہ ہی کی لائی ہوئی ہدایت کا مرہون منت سمجھتا ہے، خدا کے رسول کی توہین و تحقیر بھی ’محاربہ‘ اور ’فساد فی الارض‘ کی ایک صورت ہے اور اگر کوئی شخص دانستہ ایسا کرتا اور اس پر مصر رہتا ہے تو وہ نہ صرف اس کے باشندوں کے مذہبی جذبات و احساسات کو مجروح کرتا ہے، بلکہ ریاست کے مذہبی تشخص کو بھی چیلنج کرتا اور اسے پامال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ یہ جرم انھی سزاؤں کا مستوجب قرار پانا چاہیے جو آیت ’محاربہ‘ میں بیان ہوئی ہیں، بلکہ صحابہ کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اہل ذمہ میں سے کوئی شخص کسی عام مسلمان کی توہین و تذلیل کا مرتکب ہوتا تو وہ اس کو بھی نقض عہد کے مترادف قرار دیتے ہوئے اس پر موت کی سزا نافذ کر دیتے تھے۔ چنانچہ ایک ذمی نے ایک مسلمان خاتون کو سواری سے گرا دیا جس سے اس کا پردہ کھل گیا، پھر اس نے اس کے ساتھ جماع کرنے کی کوشش کی۔ سیدنا عمر کے سامنے یہ مقدمہ پیش کیا گیا تو انھوں نے اسے سولی چڑھانے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ ہم نے تمھارے ساتھ اس بات پر معاہدہ نہیں کیا۔[47]

’حرابہ‘ کے مفہوم اور دائرۂ اطلاق کی تحدید کی طرح قاضی کو حرابہ کی مخصوص صورتوں میں متعین سزا کا پابند کر دینا بھی قانون کی حکمت اور منشا کے منافی دکھائی دیتا ہے، اس لیے کہ بعض اوقات عملاً قتل و نہب نہ ہونے کے باوجود محض خوف و ہراس کی کیفیت پیدا کرنے کا جرم اپنے اثرات کے لحاظ سے اتنا شدید ہو سکتا ہے کہ اس پر تقتیل یا تصلیب کی سزا دی جانی چاہیے۔ اس صورت حال میں قاضی کو پابند کرنے کے بجاے صورت حال کے لحاظ سے کوئی بھی سزا اور تقتیل کی کوئی بھی صورت اختیار کرنے کی آزادی حاصل رہنی چاہیے۔ جلیل القدر تابعی عطاء سے یہی راے منقول ہے اور فقہاے مالکیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔[48]

۴۷؎ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۸۸۳۷۔ مصنف عبد الرزاق، رقم ۱۰۱۶۷۔

۴۸؎ مصنف عبد الرزاق، رقم ۱۸۵۴۹۔ ابن رشد، بدایۃ المجتہد ۲/۳۴۱۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org